ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

تہذیب مغرب کے علمبردار

انسان یا درندے

یورپ اور امریکہ میں بسنے والی سفید اقوام کو اصرار ہے کہ ان کو انسانیت کا ہمدرد اور انسانوں کا غم خوار سمجھا جائے انسان تو انسان ہیں۔ ان نرم دل، نرم خو اور شریف النفس افراد کو ان جانوروں پر بھی رحم آتا ہے جن پر زیادتی کی جائے ایک بین الاقوامی تنظیم انہوں نے اسی نام پر قائم کی ہے کہ کوئی بے زبان جانوروں کو گزند نہ پہنچائے۔

۱۹۶۷ء میں جب روس نے خلا میں مصنوعی چاند کا تجربہ کیا۔ اس میں یہ تجربہ کرنے کے لئے کہ جاندار مخلوق کتنی دیر زندہ رہ سکتی ہے ایک کتیا پہلے بھیجی تھی جس کا نام انہوں نے لائکہ رکھا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اسی حقوق حیوان کی تنظیم کی طرف سے سخت احتجاج کیا گیا تھا۔

اسلام سے ان رحم دل افراد کو اسی لئے نفرت ہے کہ یہ اس کے بیرو اس زمانہ میں بھی امن وامان قائم رکھنے کے لئے چور کا ہاتھ کاٹنا حکم خداوندی سمجھتے ہیں۔ نسل انسانی کو مسخ کرنے والے جرائم (زنا) پر حد جاری کرنے کو کہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ قاتل کو قتل کر دو۔ اس سے دوسرے بے گناہ افراد کی جان بچے گی۔ اور ہزاروں کو پرامن زندگی گذارنے کا موقع ملے گا۔ یورپ اور امریکہ کی ان سفید اقوام کے پیچھے پیچھے یا آگے آگے مشرقی ممالک کے یہودی بھی ہیں۔

پیچھے پیچھے اس لئے کہ اقتدار رکھنے والے حکمرانوں کے یہ وکیل اور ایجنٹ ہیں۔ اور آگے آگے اس لئے کہ پروپیگنڈہ کے وسائل ان کی تحویل میں ہیں۔ ان کو ایک شوشہ مل جائے پھر دیکھئے اس کے کتنے دفتر کے دفتر تیار کر دیتے ہیں۔ اگر ایک رائی مل جائے تو اس سے پربت بنا لیں اور کچھ نہ ملے جب بھی یہ اتنے چابک دست ہیں کہ روشنی کے مینارے کو کال کوٹھڑی ثابت کر سکتے ہیں۔ جگمگانے والے سورج کو اپنے دل سے زیادہ تاریک دکھا سکتے ہیں۔

آیئے ذرا قریب آکر ان کی رحمدلی کی حقیقت کا ایک ہلکا اور سرسری جائزہ لیا جائے۔ ان کے چہرے پر جو تہذیب وثقافت کی گہری نقاب پڑی ہے ذرا تاریخ کی انگلیوں سے اسے سرکایئے اور دیکھئے کہ یہ رحم دل، رحم پرور اور رحم قاری کون ہیں۔

یہ ۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے۔ راوی لکھتا ہے۔ راوی بھی کون؟ میرا نہیں۔ ان کا اور خاص الخاص ان کا۔ ان کی گود ول کا ہی پلا ہے۔

ابراہام لنکن (امریکہ کا صدر جس کو ۱۸۶۵ء میں کسی نے ہلاک کر دیا تھا) کا سوانح نگار مسٹر پرپیامی جارج۔ بلجیم کے بحری بیڑے کا ایک جہاز جس وقت جیمس ٹاؤن کے ساحل پر لنگر انداز ہوا تو معلوم ہوا کہ جہاز کے لیے رسد و خوراک کا سامان ختم ہو چکا ہے۔ کپتانوں کے لیے شراب کی بوتلیں بھی نہیں ہیں۔ دوسری طرف زرِ مبادلہ کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہے۔ اہلِ شہر سے جا کر جہاز رانوں نے کہا کہ تم لوگ ہمیں شراب فراہم کرو ہم اس کے بدلے تمہیں ایک کار آمد چیز دیں گے۔

یہ کار آمد مال افریقہ کے سیاہ فام انسان تھے جنہیں سر سے لے کر پاؤں تک لوہے کی جالیوں میں جکڑ رکھا تھا جس انسانی وجود کا سودا ہوا۔ جہاز کے عملے کو چند بوتلیں شراب کی مل گئیں۔ یہ امریکہ میں غلاموں کی خرید و فروخت کی ابتدا تھی۔ انیسویں صدی کے وسط تک اس صنعت کو جو ترقی ہوئی ان کا حال راوی لکھتا ہے:۔

"افریقہ کے براعظم سے مرد عورتیں اور بچے اس طرح لائے جاتے جس طرح جنگلوں سے بھیڑ اور لومڑیاں لائی جاتی ہیں۔ ان پر طب کے تجربات کیے جاتے تھے۔ ایک تندرست اور زندہ انسان کا گردہ کیسا ہوتا ہے۔ یہ دیکھنا ہوتا تو ایک افریقی کو کھڑے کھڑے چیر دیا جاتا۔

ضرورت پڑی تو سمندر سے گھڑیال کو زندہ پکڑنے کے لیے بحری شکار کے کانٹے میں افریقی انسان کا نوزائیدہ بچہ زندہ حالت میں پھنسا کر سمندر میں ڈال دیا جاتا۔ جس سے اچھی قسم کی مچھلیاں اور گھڑیال شکار ہوتے۔

کاغذ کی جگہ انسان کی کھال کو استعمال کیا جائے تو کیسا رہے گا۔ یہ بات ذہن میں آتے ہی چند افریقی باشندوں کی کھال کھینچ لی گئی اور خشک کر کے ان پر دستاویز لکھی گئیں جو آج بھی ہارورڈ یونیورسٹی کی پبلک لائبریری میں موجود ہیں۔

زہر کے اثرات انسانی جسم پر کس طرح مرتب ہوتے ہیں۔ کس زہر سے کتنی دیر میں آدمی مرتا ہے اس کا تجربہ انہی افریقی غلاموں پر کیا گیا۔

سانپ کتنی قسم کے ہیں اور کس سانپ کے کاٹے کا علاج ہے اور کس کا نہیں، اس کا تجربہ بار بار ان ہی سیاہ فام انسانوں پر کیا جاتا رہا۔"

یہ تو افریقہ کے براعظم سے پکڑے ہوئے انسانوں پر "رحم دل" اقوام کا برتاؤ تھا۔ اور صدی ڈیڑھ صدی پہلے کی کہانی ہے۔ اس صدی کے شروع میں جب دانشورانِ فرنگ ملایو۔ سومطرہ (موجودہ ملیزیا) پر حاکم تھے اس قوم کی دولت خام ربڑ پر قابض تھے۔ ان میں اگر کوئی شخص (اپنی قومی ملکیت میں سے) ربڑ چرا لیتا تو اس کی سزا موت تھی۔ یہاں تک کہ صرف دو گرام ربڑ کے لیے اہلِ وطن کو سرِ عام پھانسی دی گئی ہے۔

اور آخر میں ان کے آگے آگے چلنے والے اور پیچھے پیچھے بھاگنے والے یہودی رحم دلوں کا حال سنئے۔

۱۹۴۸ء میں حیفا کے فوجی اڈے پر یہودی جرنلس اور کیپٹنس جمع ہیں۔ شراب اور جوئے کا دور چل رہا ہے۔ ایک منچلے جرنیل کو ایک انوکھی تفریح اور نئے قسم کے جوئے کی سوجھتی ہے

عرب قیدیوں میں سے تین حاملہ عورتیں لائی جاتی ہیں۔ فوجی حکام شرط لگاتے ہیں۔

ایک کہتا ہے اس عورت کے شکم میں جو بچہ ہے وہ نر ہے۔

دوسرا کہتا ہے نہیں مادہ ہے۔

اچھا شرط ہو جائے پانچ پانچ ڈالر کی۔ سنگین کی نوک سے اس کا پیٹ چیرا جاتا ہے شرط جیتنے والا پانچ ڈالر لیتا ہے۔ قہقہہ گونجتا ہے ـــــ پھر دوسری عورت لائی جاتی ہے اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ تیسری عورت جب لائی جاتی ہے تو یہ بہادر جرنیل فرماتے ہیں ابھی اس کا بچہ اتنا تیار نہیں ہوا کہ نر اور مادہ کا پتہ چل سکے۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں تو اسی پر شرط ہو جائے کہ اس نوعمر لڑکی کا حمل کتنا پرورش پا چکا ہے۔

شاید ان تصویروں کے بعد انسانوں کے غم خوار اور انسانیت کے ہمدرد اور جانوروں پر رحم کھانے والے افراد کا اصلی روپ پہچاننے میں آپ کو دیر نہیں لگی ہو گی۔ ان کے یہ حلیے دیکھئے اور ان کی جرأت دیکھئے کہ اسلام کے نظام قصاص پر معترض ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسلام نے غلام نہیں غلامی کی پرورش کی INSTITUTION کو باقی رکھا لہٰذا بڑا ظالم مذہب ہے۔

ہاں کتنا ظالم! جو غلام اور آقا کے لئے ایک ہی لفظ "مولیٰ" تجویز کرے! کتنا ظالم! کہ جس کا خلیفہ اور امیر (عمر فاروقؓ) بلال حبشیؓ کو "سیدنا" کہہ کر مخاطب کرے۔ کتنا ظالم کہ عبادت میں غلام و آقا کو شانہ بشانہ کھڑے ہونے کا حکم دے۔ کتنا ظالم! کہ غلام بنانے کے تمام راستے (سوائے جہاد کے) مسدود کر دے۔ اور آزاد کرنے کے ان گنت طریقے سکھائے۔

بھلا اس کا مقابلہ ان سترھویں صدی اور بیسویں صدی کے مہذب مذاہب سے کیا جا سکتا ہے؟

★ **اللہ تعالیٰ کے لامتناہی احسانات** ۔ معزز حضرات۔ بُری خصلتوں کو چھوڑ دو اور اللہ کا ذکر کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو انسان بنایا وہ چاہتا تو گدھا، کتا، بلّی، چوہا بنا دیتا۔ مگر اس نے ہمارے تمہارے روح پر فضل کیا اور ہمیں انسان بنایا جو اشرف المخلوقات ہے۔